رسول کریم ﷺ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ تھے

نور محمد ﷺ سے دنیا کے اندھیروں کو اجالوں میں بدل دیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹؍جنوری ۱۹۹۰ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت کی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۹ (الحدید:۲۹)

پھر فرمایا:

یہ آیت جو میں نے تلاوت کی ہے۔اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لاؤ۔اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے میں تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا حصہ عطا فرمائے گا۔وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا اور تمہارے لئے ایک عظیم الشان نور تیار فرمائے گا۔تَمْشُوْنَ بِهٖ جس کی روشنی میں تم چلو گے۔وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور وہ تم سے بخشش کا سلوک فرمائے گا۔وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں سب سے پہلی بات جو نظر کو پکڑتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر چہ خطاب مومنوں سے ہے لیکن پہلی نصیحت یہ فرمائی گئی کہ اللہ کے رسول پر ایمان لے آؤ۔وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں ان کو یہ کہنا کہ ایمان لے آؤ! کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن جب انسان اس پر

مزید غور کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر ایمان لانے والے حقیقت میں ایمان نہیں لائے ہوئے ہوتے اور محض زبان کا ایمان ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اب یہاں حقیقی ایمان کی بات ہو رہی ہے کہ تم نے ایک منزل تو طے کر لی۔ تم نے اعلان کر دیا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو لیکن محض یہ کافی نہیں۔ اب تمہیں ایمان کی روح کو اختیار کرنا پڑے گا، ایمان میں ڈوبنا ہوگا اور اس فائدے کی تلاش کرنی ہوگی جو ایمان کے نتیجے میں لازماً عطا ہوتا ہے اور وہ فائدہ جس کا بعد میں ذکر فرمایا گیا، وہ حقیقی ایمان اور غیر حقیقی ایمان کے درمیان تمیز کر کے دکھاتا ہے اور ایسی روشن تمیز کرتا ہے کہ اس کے نتیجے میں کسی ابہام کسی شک کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

اس مضمون کے تناسب سے بہت ہی خوبصورت جواب اس کا دیا گیا۔ فرمایا: يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ تم دو دفعہ ایمان لاؤ، خدا تم پر دوہری رحمتیں کرے گا۔ پہلے ایمان کے نتیجے میں بھی تم پر رحمت فرمائے گا اسے ضائع نہیں ہونے دے گا اور اس دوسرے ایمان کے نتیجے میں جو حقیقی ایمان ہوگا جو ایمان کی روح کو سمجھنے کے نتیجے میں نصیب ہوتا ہے تم پر خدا دوہری رحمتیں نازل فرمائے گا اور مزید نتیجہ یہ نکالا کہ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ اس ایمان کی علامت یہ ہے اور خدا تعالیٰ کے دوہرے فضل کی علامت یہ ہے کہ تمہیں ایک نور عطا ہوگا جس کے ذریعے تم دیکھنے لگ جاؤ گے، تمہارے رستے روشن ہو جائیں گے۔ تمہاری زندگی کی ہر راہ تم پر اس طرح واضح ہو جائے گی کہ اس میں تم ٹھوکروں سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ پس یہ وہ فرق ہے جو مومن کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص ایمان لاتا ہے تو اگرچہ ہمیں یہ کہنے کا حق نہیں کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ ظاہری ایمان ہے حقیقی ایمان نہیں۔ مگر قرآن کریم نے ہر ایسے دعویدار کے لئے ایک علامت کھول کر بیان فرما دی اور ہر شخص اس آیت کی روشنی میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے یہ پہچاننے کی استطاعت رکھنے لگ گیا کہ آیا میرا ایمان حقیقی ایمان ہے یا نہیں جس کے نتیجے میں میں دوہری رحمتوں کا مستحق قرار دیا جاؤں اور پہچان کتنی واضح ہے نور عطا ہوگا۔ ایسا نور جو تمہاری راہیں تمہارے لئے واضح فرما دے گا اور تم اندھوں کی طرح اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے نہیں چلو گے بلکہ تمہیں صاف رستے دکھائی دینے لگ جائیں گے۔ یہ جو عرفان کا دوسرا جلوہ ہے یہ اس حقیقی ایمان کے نتیجہ میں نصیب ہوتا ہے اور اس کے بغیر مومن کی زندگی مکمل نہیں ہوتی اور درحقیقت مومن کا ایمان

اسے کوئی بھی فائدہ نہیں دیتا اگر وہ نور کی تلاش نہ کرے اور نور کو حاصل نہ کرے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس مضمون کو ادل بدل کر مختلف پہلوؤں سے ایسی حیرت انگیز صفائی کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ اس کا کوئی پہلو بھی اوجھل نہیں رہتا اور جب ذکر نور کا چل رہا ہو جو روشنی ہے تو پھر کسی پہلو کے اوجھل رہنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ نور تو اندھیروں کو دور کرنے والا ہے۔ نور کا ذکر ہو تو کیسے ممکن ہے کہ کچھ شبے کی گنجائشیں باقی رکھی جائیں۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس کے متعلق پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم اپنے رستے دیکھنے لگ جاؤ گے، اپنی زندگی کے ہر عمل کے لئے تمہیں یہ روشنی نصیب ہو جائے گی کہ درست یہ بات ہے اور غلط یہ بات ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ تمہیں پھر خدا تعالیٰ بخشے گا اور تم سے مغفرت کا سلوک فرمائے گا۔ مغفرت کا سلوک نور کے عطا ہونے کے بعد ایک خاص معنی رکھتا ہے کیونکہ اس کے باوجود کہ انسان کو کھرے اور کھوٹے کی تمیز عطا ہو جائے۔ اس کیا وجود کہ وہ روشنی نصیب ہو جائے جس کے ذریعے وہ اپنی راہوں کو دیکھنے لگ جائے، پھر بھی اس کا نفس اسے غلطیوں پر مجبور کرتا رہتا ہے اور وہ بعض دفعہ جان بوجھ کر دیکھتے ہوئے بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ بعض دفعہ اپنی اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے رستہ دیکھتے ہوئے اس پر چل نہیں سکتا اور اس سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ پس ایسے موقعہ پر لازماً بخشش کا مضمون شروع ہو جاتا ہے اور ایسا شخص جسے خدا نور عطا کرتا ہے، اس نور کے بعد اگر اس سے کچھ غلطیاں ہوں تو بخشش کا بھی سلوک فرماتا ہے اور درگزر فرماتا ہے۔ لیکن یہاں بخشش کا مضمون صرف ان معنوں میں نہیں ہے کہ وہ کوتاہیاں کرتا چلا جائے اور خدا تعالیٰ بخشتا چلا جائے بلکہ ان معنوں میں ہے کہ نور کے عطا ہونے کے بعد جو مجبوری کی کمزوریاں ہیں جو مجبوری کی غفلتیں ہیں ان سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے قرآن کریم نے اس مضمون کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور اس مضمون کو آج میں آپ کے سامنے دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں اور تربیت کے سلسلے میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ہر وہ شخص جو تربیت کرنے کا دعویدار ہے، ہر وہ شخص جو لوگوں کو ہدایت کی طرف اور خدا کی طرف بلانے کا ادعا کرتا ہے، اس کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ تعلیم جو وہ پیش کرتا ہے وہ

نورانی ہو کیونکہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ ہر تعلیم جو خدا نے انبیاء کو عطا فرمائی وہ نور ہی کی تعلیم تھی لیکن وہ لوگ جنہوں نے اس نور کو اپنا کر اپنی ذات کے لئے اس نور سے حصہ نہیں پایا، وہ اس تعلیم سے کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (الانعام:۹۲)

کہ ان سے کہہ وہ کون سی ذات تھی جس نے وہ کتاب اتاری جو موسیٰ لے کر آیا نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ وہ نور تھی اور لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب تھی۔ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تم نے اسے کاغذ بنا ڈالا۔ یعنی کاغذوں کا سلوک کیا محض تحریریں سمجھ کر ان کو پڑھتے رہے یا اپنے گھروں میں رکھتے رہے۔ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا یعنی تحریریں تو تم ظاہر کرتے رہے اور لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے یہ ہماری روحانی کتاب ہے۔ اس کتاب سے ہم نے نور حاصل کیا ہے۔ وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا مگر اس کے جو اچھے نورانی پہلو تھے ان کو دبا دیتے رہے۔ ان کے اچھے پہلوؤں سے صرف نظر کرتے رہے ان کو نظر انداز کرتے رہے۔ یا اس تعلیم کے بعض حصوں کو پیش کرتے رہے اور بعض حصوں کو چھپاتے رہے جو تمہیں مجرم کرتے تھے۔ یہ دونوں معنی ہیں اس کے اور جو قومیں نور دیکھ کر نور سے استفادہ نہ کریں وہ نور ان پر گواہ ٹھہرتا ہے اور ان کو بتاتا ہے کہ تم ظلم کرنے والے ہو اس لئے ایسی قومیں بھی ہیں جن کو نور عطا ہوا ان کو اس نور نے دکھا دیا کہ تم کہاں کہاں غلطی کر رہے ہو اور اس کے باوجود اس سے وہ صرف نظر کرتے رہے اور لوگوں سے وہ گواہیاں چھپاتے رہے جو دراصل ان کی ذات کے خلاف گواہیاں تھیں۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نور سے کسی قسم کا استفادہ نہیں کیا۔

پس یہ دو الگ الگ مضمون ہیں۔ ایک وہ کہ کسی کو نور عطا ہو جائے اور وہ عمداً جان بوجھ کر اخفاء سے کام نہ لے اور اس کی روشنی سے حتی المقدور استفادہ کی کوشش کرتا رہے اور اس کو اپنے دل کا

نور عطا ہو جائے۔ ایسے شخص کے لئے مغفرت کا مضمون ہے اور وہ لوگ جو نور کو پہچانتے ہیں اور اس کی ان گواہیوں کو چھپا دیتے ہیں جو ان کے خلاف ہیں۔ ان کی ذات کے خلاف ہیں۔ اپنی آنکھیں بھی ان سے بند کر لیتے ہیں اور لوگوں پر بھی اس تعلیم کو ظاہر نہیں ہونے دیتے اور اپنی کجی کی تائید میں آیات کے بعض ٹکڑے نکال کر وہ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں جو اپنے مضمون سے الگ کر کے دوسرے معنوں میں پیش کئے جاتے ہیں کیونکہ کجی کی کوئی تعلیم نور میں تو نہیں ملتی۔ تو فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لئے تو کوئی بخشش نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس حال میں چھوڑ دے گا کہ وہ اپنے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جائیں گے۔ اور ان کو کچھ بھی نصیب نہیں ہوگا۔ پس نور کا تعلیم کی صورت میں نصیب ہونا کافی نہیں بلکہ نور کا اپنی ذات کو عطا ہونا ضروری ہے۔ اور اس مضمون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے دل میں ایک نور پیدا کرتا ہے اس نور کے نتیجے میں پھر باہر کا نور اس کو عطا ہوتا ہے۔ بغیر اس اندرونی نور کے محض تعلیم کا نور اس کے لئے کوئی بھی فائدہ نہیں دیتا۔ تعلیم کے نور کی مثال سورج کی روشنی کی سی ہے۔ جو جب نکلتا ہے تو اس سارے کرۂ ارض کو روشن کر دیتا ہے جس پر وہ طلوع ہوا ہے اور اس کی ساری فضا کو روشنی سے بھر دیتا ہے لیکن وہ لوگ جن کو نور بصیرت عطا نہیں ہوتا وہ اسی طرح اندھیروں میں رہتے ہیں اور اس نور سے کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

پس قرآن کریم نے بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ اپنے نفس کے لئے نور حاصل کرو اور وہی نور ہے جو تم دوسروں کو عطا کرنے کے اہل ہو گے۔ اگر دنیا کی اصلاح کے لئے نکلے ہو تو چراغ لے کر نکلو لیکن وہ چراغ نہیں جو تعلیم کی صورت میں ملتا ہے یعنی محض وہ چراغ لے کر نہیں بلکہ اپنے نفوس میں وہ چراغ روشن کرو جن کے ذریعے تم روشنی والے بن جاؤ اور تم دوسروں کو روشنی دکھانے کی اہلیت حاصل کر لو۔ لیکن فرمایا کہ یہ وہ چیز ہے جو خالصۃً اللہ سے نصیب ہوتی ہے اور اپنے طور پر انسان زبردستی حاصل نہیں کر سکتا۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (النور:۴۱) وہ شخص جس کو خدا نور عطا نہ کرے، اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔ پس اس پہلو سے وہ پہلی آیت جو میں نے تلاوت کی تھی وہ دعا کے طور پر ہمیں سکھائی گئی ہے اور ہمیں سمجھایا گیا ہے کہ خدا سے نور مانگا کرو کیونکہ خدا کی طرف سے عطا کردہ نور کے سوا اور کوئی نور میسر نہیں آسکتا اور نور حاصل کرنے کا اور اس دعا کی قبولیت کا ذریعہ یہ بتایا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ پر حقیقی ایمان لے آؤ۔

حقیقی ایمان تو ایک بہت ہی وسیع مضمون ہے یہاں اس مضمون کا خلاصہ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک ایسی ذات تھے جن پر جو نور اتارا گیا وہ آپ کے جسم میں اس طرح تحلیل کر گیا کہ آپ گویا مجسم نور ہو گئے۔ اور اس مضمون کو قرآن کریم نے بارہا بیان فرمایا ہے کہ ہم نے تم پر ایسا رسول نور کی صورت میں اتارا ہے جو مجسم ذکر الٰہی ہے اور کئی جگہ آنحضرت ﷺ کو اسی طرح نور قرار دیا جس طرح قرآن کریم کو نور قرار دیا اسی طرح نور قرار دیا جس طرح فرقان کو نور قرار دیا اور نور کا لفظ دونوں پر یکساں اطلاق کر کے یہ دکھا دیا کہ آنحضرت ﷺ کی ذات میں خدا کا نور مجسم ہو گیا ہے۔ یہ تعلیم اس طرح کھول کھول کر بار بار قرآن کریم میں بیان ہوئی کہ مسلمانوں میں سے ایک فرقے کو ٹھوکر لگ گئی اور وہ ان بچگانہ بحثوں میں پڑ گئے کہ آنحضرت ﷺ کا جسم تھا بھی کہ نہیں کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ نور تھے اور اتنا واضح نور کا لفظ آپ کی ذات پر قرآن کریم اطلاق فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے جو بچگانہ نظر سے اس تعلیم کو دیکھا وہ سمجھے کہ یہاں نور سے مراد یہ ہے کہ آپ کا جسم تھا ہی نہیں صرف نور ہی نور تھے اور جو کچھ ہمیں دکھائی دیتا تھا وہ محض ایک نظر کا دھوکہ تھا۔ ایک عکس سا تھا ورنہ حقیقت میں آپ کا کوئی جسم نہیں تھا۔ اس لئے یہ بحثیں عام ہو گئیں کہ آپ کا سایہ تھا کہ نہیں تھا۔ آپ کی جو ماہیت تھی وہ کس قسم کی تھی اور ایک بہت بڑا فرقہ اس کے نتیجہ میں وجود میں آیا ہے اور ایک دوسرا فرقہ ایسا بنا جس نے جسم پر زور دینا شروع کیا اور نور کے پہلو کو حقیقت میں نظر انداز ہی کر دیا۔ مقابلے میں آ کر جسم پر اتنا زور دیا کہ گویا آنحضرت ﷺ نور نہیں تھے اور محض بشر تھے۔ حالانکہ قرآن کریم یہ بتانا چاہتا ہے کہ آپ ایک ایسے بشر تھے جو نور بن گئے اور بشر کو نور میں تبدیل کرنے کے لئے وحی کی ضرورت ہے اور خدا سے تعلق کی ضرورت ہے۔ پس یہ جو مضمون ہے کہ خدا سے نور ملتا ہے۔ اس کو ہی قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ جب فرمایا کہ:

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (الکہف:۱۱۱) کہ دیکھو میں بظاہر تم جیسا ہی بشر ہوں۔ پھر یہ اتنا فرق تم کیا دیکھتے ہو؟ یہ فرق وحی کا فرق ہے۔ تمہارے جیسا بشر مگر ایسا بشر جس پر وحی نازل ہونے لگ گئی۔ پس بشریت کو نور میں تبدیل کرنے کے لئے وحی کی ضرورت ہے اور یہ وحی آنحضرت ﷺ کی وساطت سے ہمیں نصیب ہوئی لیکن یہ جب تک ہمارے ذاتی نور میں تبدیل نہ ہو اس وقت تک ہم اندھے رہیں گے۔ اور اس کو ذاتی نور میں تبدیل

کرنے کے لئے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی سیرت کے مطالعہ کی ضرورت ہے اور آپ کی حقیقی پیروی کی ضرورت ہے۔ ان معنوں میں آپ پر ایمان لانے کی ضرورت ہے کہ جس طرح آپ کی بشریت نور میں ڈھل گئی اسی رستے پر چلتے ہوئے انہی طرق یا ان رستوں کو اختیار کرتے ہوئے میں بھی رفتہ رفتہ اس نور سے حصہ پانے لگ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم یہ کوشش کرو اور ہم یہ وعدے کرتے ہیں کہ ہم تمہیں وہ نور عطا کر دیں گے کیونکہ آنحضرت ﷺ کو بھی یہ نور خدا تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ لیکن اس نور کے عطا کرنے کی شرط یہ ہے کہ نفس کے اندر ایک شعلۂ نور پیدا ہو۔ اس کے بغیر یہ بیرونی نور جو خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے یہ عطا نہیں ہوتا۔ قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کے نور کی جو تفصیل بیان فرمائی اس کو اسی رنگ میں بیان فرمایا کہ آپ کے نفس کے اندر ایک نور تھا جو اتنا لطیف تھا کہ وہ خود بخود بھڑک اٹھنے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ ایسی صورت میں جب آسمان سے شعلۂ نور نازل ہوا تو نُورٌ عَلٰی نُور بن گیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کو بھڑکا دیا اور نور بنا دیا۔ فرمایا نور تھا پہلے ہی۔ نورٌ علیٰ نور ہوا ہے ایک نور پر ایک اور نور نازل ہوا ہے۔

پس اپنے نفوس کے اندر جب تک آپ کوئی شمعیں روشن نہیں کریں گے۔ آسمان سے نور نہیں اترے گا اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح آپ کا وجود اندرونی طور پر لطافت اختیار کرتے ہوئے نور بن چکا تھا اور بھڑک اٹھنے پر تیار تھا یعنی ایسا نور جو تمام دنیا میں روشنی پیدا کر دے۔ یہ جو مثال دی ہے قرآن کریم نے یہ اس طرح کی مثال ہے جیسے Super Nova کا ذکر سائنس میں ملتا ہے کہ بعض جو Stars ہیں ان کے اندر Radiation کی ایسی Concentration ہو جاتی ہے۔ اس ریڈیائی قوت کا غیر معمولی طور پر ایسا اجتماع ہو جاتا ہے کہ وہ پھر اچانک بھڑک اٹھتے ہیں اور سارے جوّ کو وہ اتنی حیرت انگیز روشنی سے بھر دیتے ہیں کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کروڑوں اور اربوں سال تک وہ روشنی مسلسل پھیلتی چلی جاتی ہے اور دوسروں کو روشن کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ جو اچانک روشنی کا بھڑک اٹھنا ہے سائنس دان بتاتے ہیں کہ اس میں ایسی قوت ہے کہ بیس ارب سال پہلے جو روشنی بعض ستاروں میں بھڑکی تھی وہ آج تک جوّ میں موجود ہے۔ اب بیس ارب سال تک، آپ اندازہ کریں کہ وہ کتنا بڑا فاصلہ ہے اور کتنا عظیم تصور ہے جس کو ہمارے دماغ حقیقت میں پکڑ بھی نہیں سکتے۔ تو روحانی دنیا

میں بھی اس قسم کا وہ واقعہ ہوا ہے جس کی طرف قرآن کریم اشارہ فرماتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا دل ان نوروں کا اجتماع تھا جو اپنی ذات میں اتنے حیرت انگیز طور پر قوت کو مجتمع کرنے والے تھے کہ اسی قوت کے زور سے وہ بھڑک اٹھنے پر تیار ہو گئے تھے۔ اس وقت آسمان سے شعلۂ نور آپ پر نازل ہوا۔ یہ تمثیل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بیان ہوئی ہے اور اس کے مقابل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمثیل ایک اور رنگ میں پیش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۱﴾ (القصص: ۳۰-۳۱)

کہ جب موسیٰ نے اپنے خسر جن کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ تھے۔ ان سے اپنی مدت کا معاہدہ پورا کر لیا تو اپنے اہل کو لے کر وہ واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ جب وہ طور کے قریب پہنچے تو انہوں نے طور پر ایک آگ کو روشن دیکھا۔ اس پر انہوں نے اپنے اہل سے کہا کہ ذرا یہاں ٹھہرو۔ مجھے ایک آگ دکھائی دے رہی ہے۔ ہوسکتا ہے میں وہاں سے کوئی روشنی کی خبر لاؤں۔ خبر سے مراد یہاں روشنی حاصل کرنا ہے۔ راستہ تلاش کرتے ہوئے ایک انسان جس طرح کسی دوسرے سے پوچھتا ہے کہ مجھے بتاؤ میں کون سا رستہ اختیار کروں۔ تو یہاں آگ سے پہلا خیال آگ لینے کا نہیں بلکہ رستے کی تلاش کا سوال پیدا ہوا ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ کے ذہن میں اٹھا ہے۔ پھر فرمایا اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ یا ایک دہکتا ہوا کوئلہ، ایک آگ کی چنگاری لے آؤں۔ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ تا کہ تم اس کو سینکو اور اس سے گرمی محسوس کرو۔ معلوم ہوتا ہے ظاہری طور پر بھی سردیوں کا موسم تھا۔

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۱﴾

جب وہ قریب پہنچے تو اس مبارک وادی سے، اس درخت سے جہاں خدا کا نور جلوہ گر تھا۔ وہاں سے آپ کو یہ آواز آئی کہ اے موسیٰ میں خدا ہوں۔ یعنی جو نور تو نے دیکھا ہے وہ خدا کا نور ہے اور

میں تجھے اپنی طرف بلانے کے لئے متوجہ کرنے کے لئے ایک ظاہری نور کی صورت میں دکھائی دیا تھا۔ چنانچہ اس وقت سے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وحی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور وہ پیغام عطا ہوتا ہے۔ یہ بحث الگ ہے اور لمبی ہے کہ یہ واقعہ کب ہوا تھا۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر سے پہلے آپ کو جانے کا اشارہ ملا تھا یا نہیں کیونکہ قرآن کریم سے یہی پتہ چلتا ہے کہ سفر سے پہلے آپ کو جانے کا اشارہ مل چکا تھا اور یہ بعد میں اس کی تفصیل عطا ہوئی ہے۔ مگر میں اس بحث کو یہاں نہیں چھیڑنا چاہتا۔ مراد میری یہ ہے کہ وہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں پہلے نور کی ایک طلب پیدا ہوئی اور جس آنکھ نے وہ نور دیکھا ہے اس آنکھ کو اندرونی طور پر نور بصیرت حاصل تھا ورنہ آپ کے اہل کو وہ نور کیوں دکھائی نہ دیا۔ اگر وہ کوئی ظاہری آگ ہوتی تو آپ اپنی بیگم کو بتاتے یا جو بھی سفر کے ساتھی تھے ان کو کہتے وہ دیکھو سامنے آگ جل رہی ہے اور اس آگ سے ہم کچھ حصہ پاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کچھ لوگ آگ کے گرد بیٹھے ہوں ان سے ہم ہدایت پائیں اور یا آگ میں سے کچھ حصہ لے لیں لیکن قرآن کریم کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی اور کو وہ آگ نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ وہی مضمون ہے جو اندرونی بصیرت کے نور کا مضمون ہے۔ جب تک اندرونی نور نصیب نہ ہو خدا کا نور دکھائی نہیں دیتا اور جب اندرونی نور نصیب ہو جائے تو پھر خدا کا نور جلوہ گر ہو کر پہلے نور کو نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (النور:۳۷) بنا دیتا ہے مگر دونوں واقعات کا فرق بتاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نور کی قوت کیا تھی اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی قوت اس کے مقابل پر کیا تھی۔ بہت بڑا فرق ہے۔ **ایک جگہ قلب محمد مصطفی ﷺ کو طور بنا دیا گیا ہے اور وہاں خدا کا نور جلوہ گر ہوتا ہے۔ ایک جگہ موسیٰ تلاش میں طور کا سفر کرتے ہیں اور وہی طور ہے جہاں جب وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ مجھے وہ شان دکھا جو تو نے آئندہ آنے والے ایک نبی کو دکھانی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اس کا متحمل نہیں ہوسکتا تو میری پوری رؤیت نہیں کر سکتا۔**

پس یہ تو نبوت کا مضمون ہے اور نبوت کا مضمون اندرونی نور سے شروع ہوتا ہے اور بیرونی نور پر جا کر اتمام پاتا ہے۔ پس قرآن کریم نے جہاں اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (التحریم:۹) کی دعا سکھائی وہاں یہ بھی بتا دیا کہ محض ایک شعلۂ نور کا حاصل ہونا کافی نہیں۔ اس کے اتمام کے لئے کوشش بھی کرتے رہو اور دعا بھی کرتے رہو۔

پس ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ اپنے دل میں اس نور کو ٹٹولے اور محسوس کرے اور اگر اس کو نور کی شکل میں وہ شعلہ دکھائی نہیں دیتا تو جس طرح آگ کا ایک طلب گار بعض دفعہ راکھ کو ٹٹولتا ہے اور ٹٹول کر اس کے اندر سے وہ چھوٹا سا دہکتا ہوا کوئلہ نکالتا ہے جس کو پھونکیں مارتا ہے تو پھر وہ نور میں تبدیل ہو جاتا ہے، ایک آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ ہم بچپن میں جب شکار پہ جایا کرتے تھے تو دیہات میں ٹھہرتے تھے وہاں ہم نے یہ نظارہ کئی دفعہ دیکھا کہ زمیندار حقہ کے شوقین صبح کے وقت جب ہم اٹھ رہے ہوتے تھے۔ وہ اس شعلے کی تلاش میں چولہوں کے اندر وہ جو راکھ پڑی ہوتی ہے اس کو ٹٹول ٹٹول کے اندر سے پھر وہ چھوٹا سا ایک چنگارا نکالا کرتے تھے اور اس کو کاغذ پر رکھ کر پھونکیں مار کر اس کو آگ میں تبدیل کیا کرتے تھے۔ پس تمباکو کا ایک نشئی ایک ظاہری شعلے کو بھڑکانے کیلئے اگر اتنی محنت کرتا ہے ایک ظاہری شعلے کو بھڑکانے کے لئے تو وہ لوگ جو نور کے علمبردار بنا کر دنیا کے لئے نکالے گئے ہیں وہ جن کے سپرد اندھیروں کو روشنی میں تبدیل کرنا ہے وہ کیوں ایسی محنت نہ کریں۔ اس سے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ یہ یقینی امر ہے کہ ہر انسان کے اندر شعلۂ نور موجود ضرور رہتا ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ ہر انسان اس پہلو سے خدا تعالیٰ کے ایک عظیم انصاف کا مظہر ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں پیدائشی اندھا تھا اور مجھے یہ نور کبھی نصیب ہی نہیں ہوا۔

نور ہر ایک کو نصیب ہوتا ہے وہ اس کی تلاش نہ کرے اسے نکال کر ابھارے اور اجالے نہیں تو رفتہ رفتہ پھر وہ راکھ میں دبا ہوا شعلہ بھی مر جایا کرتا ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی دیکھے، بیچارے وہ ٹھنڈی راکھ کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ راکھ اٹھتی ہے ان کے سانسوں کے اندر ان کے Lungs میں داخل ہوتی ہے ان کا چہرہ خراب کرتی ہے ٹٹولتے رہتے ہیں کچھ نہیں نکلتا۔ تو ایسے بھی بدنصیب ہوتے ہیں جو اگر اپنی راکھ کو چھیڑیں نہیں اور اسی طرح پڑا رہنے دیں تو رفتہ رفتہ ان کا نور ان کے سینوں میں مر جاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے بجھ جاتا ہے۔ ایسے بدنصیبوں کا بھی قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے۔ لیکن آپ نے تو دنیا کو روشن کرنا ہے۔ آپ نے تو اپنی نئی نسلوں کی تربیت کرنی ہے اور یہ تربیت احمدیت کی تعلیم کے ذریعے آپ نہیں کر سکتے جب تک کہ اس تعلیم کے نور کو پہلے اپنے وجود کا حصہ نہ بنائیں اور وہ وجود کا حصہ تب بنتی ہے جب آپ کے دل میں ایک نور پیدا ہو اور نور نور پر لپکتا ہے۔ اس بنیادی نکتے کو آپ

ہمیشہ یادرکھیں۔

قرآن کریم سے بالکل واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب تک اندرونی نور نصیب نہ ہو بیرونی نور اترتا نہیں۔روشنی کو ایک روشن جگہ کی ضرورت ہے جہاں وہ نازل ہوتی ہے۔وہ ایک اشتراک ،ایک اتحاد ہے جس کے نتیجے میں ایک روشنی دوسرے کی طرف کشش کرتی ہے۔پس اندرونی نور کے حصول کے لئے سب سے پہلی تو کوشش ہے احساس ہے یہ شعور ہے کہ مجھے اپنے نفس کے نور کو زندہ رکھنا ہے اس لئے اپنے اندران اچھی چیزوں کو تلاش کریں جو خدا کے نور کی یاد دلاتی ہیں۔ اپنے پاکیزہ جذبات کو ابھاریں اپنی نیکیوں کو ٹٹولیں اور انہیں زندہ کریں اوران کوصاف کریں،ان کو مانجیں،ان کو روشن کرنے کی کوشش کریں۔ یہی وہ طریق ہے جس کے نتیجے میں آپ کے دل میں دبا ہوا شعلۂ نور بھڑک اٹھے گا۔ جواس وقت چنگاریوں کی صورت میں، چھوٹے چھوٹے دہکتے ہوئے کوئلوں کی صورت میں ہوگا۔لیکن جب آپ یہ کوشش کریں گے اوراس پر پھونکیں ماریں گے تو انشاء اللہ وہ ایک روشن آگ میں تبدیل ہو جائے گا۔ اوراس کے لئے ایک لمبی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہ مضمون چونکہ بہت گہرا ہے اورتصوف کا رنگ اختیار کر جاتا ہے اور چونکہ ہم میں سے بھاری اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو تصوف کے باریک نکتوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔اگر وہ سنیں اور لطف محسوس کریں تو اس سے زیادہ آگے نہیں بڑھتے اور اسی لطف کو اپنا مقصد بنا کر خوش ہوکر پھر اس سے آگے گذر جاتے ہیں۔اس لئے میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ بات سمجھا کر پھر وہ آسان طریق بتاؤں جس کے ذریعے محض تصوف کا ایک نکتہ نہ رہے بلکہ ایک ایسی ٹھوس حقیقی تعلیم بن جائے جس کو ہم میں سے ہر ایک اختیار کرنے کا اہل ہو جائے۔

میں نے جو یہ تحریک کی تھی کہ نمازوں پر زور دیں اور قرآن کریم کی تلاوت پر زور دیں۔اس میں بڑا مقصد یہ تھا کہ اس طرح آپ کو اپنے نفس کے نور کو اجاگر کرنے میں مدد ملے گی۔ وہ لوگ جو عبادت پر قائم نہیں ہوتے ان کا نور بجھتا رہتا ہے۔یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کبھی کوئی انکار ممکن نہیں۔عبادت سے غافل لوگ نسبتاً روز بروز ٹھنڈے ہونے لگ جاتے ہیں۔عبادت کو جب اختیار کرتے ہیں تو ایک لمبا عرصہ ایسی کیفیت کا ان پر گزرتا ہے کہ وہ عبادت کرنے کے باوجود کوئی گرمی محسوس نہیں کرتے اور بے چین ہوتے ہیں کہ پھر اس عبادت کا فائدہ کیا؟ ہمیں تو کوئی گرمی نہیں

مل رہی۔ وہ اس نکتہ کو بھول جاتے ہیں کہ ان کے دل کے شعلے یا دل کے دہکتے ہوئے کوئلے رفتہ رفتہ اتنی ڈھیروں راکھ کے تلے دب چکے ہیں اب آسانی کے ساتھ وہ آگ بھڑک نہیں سکتی۔ اس پر محنت کرنی پڑے گی۔ پس اسی لئے میں نے آپ کو حقے والوں کی مثال بتائی ہے۔ وہ جب طلب محسوس کرتے ہیں تو خواہ ان کو وہ چنگاری ملے یا نہ ملے۔ وہ ٹٹولتے رہتے ہیں، دیکھتے رہتے ہیں، بے چین ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایک معمولی سی چنگاری بھی ملے تو اس کو وہ سنبھال لیتے ہیں بڑی احتیاط سے کاغذ پر اٹھاتے ہیں پہلے ہلکی پھونکیں مارتے ہیں پھر زیادہ پھونکیں پھر جب وہ روشن ہو جاتی ہے تو ان کے چہرے بھی روشن ہو جاتے ہیں کہ اب ہمیں ہماری طلب کی پیاس بجھانے کا موقعہ مل جائے گا۔ تو جو نماز پڑھنے والے ہیں، مجھے خیال آیا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ایک بے کار کوشش کر رہے ہیں۔ گرمی کا فقدان یہ بتا رہا ہے کہ ایک لمبا عرصہ یا تو انہوں نے عبادت نہیں کی یا عبادت ایک سرسری طور پر کرتے رہے ہیں اور اس سے استفادہ نہیں کر سکے لیکن مایوسی کی نہ ضرورت ہے نہ مایوسی کا حق ہے نہ مومن کو مایوسی کی اجازت ہے اور مایوس ہونے والوں کو پھر کچھ نصیب نہیں ہوا کرتا۔ پس اپنی عبادتوں کو تیز کریں اپنی جستجو کو بڑھائیں اور ہر کونے کھدرے پر اپنے نفس کے اندر نظر ڈالیں اور دیکھیں وہاں کون سی ایسی نیکی کی روشنی ہے جس کے حوالے سے خدا سے تعلق پیدا کریں اس کے بغیر نمازوں میں زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ دو قسم کے حوالے ہیں جن سے نمازوں میں جان پڑتی ہے۔ ایک وہ حوالہ جو راکھ کا حوالہ ہے یعنی آپ تلاش کر رہے ہیں اور روشنی نہیں مل رہی اور آپ بے قرار ہو کر خدا سے کہتے ہیں کہ میرے پاس تو صرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے مجھے کوئی روشنی دکھائی نہیں دیتی اس لئے اے خدا! تو میری مدد کو آ! اور اس راکھ میں سے شعلۂ نور پیدا کر دے۔

پس مایوسی کی بجائے اس عدم حصول کو مزید طلب میں تبدیل کر دیں بے چینی اور بے قراری کے ساتھ دعائیں کرنے لگ جائیں کہ اے خدا! تو میری مدد کو آ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کے قیام کے سلسلے میں یہی مضمون بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ نمازوں کو زندہ کرنا ہے تو خدا سے مانگو اور بے قراری سے یہ عرض کرو کہ خدایا میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میری نمازیں خالی پڑی ہیں تو آ اور ان نمازوں کو زندہ کر دے، تو اپنے نور سے ان نمازوں کو روشن فرما دے، اپنی محبت کی گرمی سے انہیں توانائی بخش۔

یہ وہ دعائیں ہیں جو راکھ پر نظر کر کے دل میں پیدا ہوتی ہیں اور نیکی کے نور کو دیکھ کر اس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کا تصور باندھ کر اس سے تعلق پیدا کرنا ایک اور مضمون ہے۔ ہر انسان میں خدا تعالیٰ نے نیکی مختلف رنگ میں رکھی ہوئی ہے۔ نیکی کے اس حصے پر خدا کی طرف نگاہ کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا یہ دراصل صفات الٰہی کا پرتو ہے جو میرے دل میں مختلف شکلوں میں نیکیوں کی صورت میں موجود ہے اور اس پر خدا کا احسان کرتے ہوئے ان نیکیوں کو زندہ کرنا، ان میں پھونکیں مارنا، ان کو بھڑکانا، ان کو اونچا لے کے جانا، یہ وہ کوشش ہے جو عبادت کے ذریعے کی جاتی ہے اور عبادت میں کی جاتی ہے۔ غور اور فکر کے ساتھ عبادت کے وقت اپنے نفس کا جائزہ لیتے رہنا اور بعد میں بھی ذکر الٰہی کی صورت میں اپنے نفس کا جائزہ لیتے رہنا ان معنوں میں جماعت کو چاہئے کہ اپنے نفوس کے نور کو بھڑکائے اور روشن کرے کیونکہ ہم میں سے ہر ایک شخص نور کا محتاج ہے۔ پہلا ایمان کافی نہیں ایک دوسرا ایمان لانا ہوگا اور وہ آنحضرت ﷺ کی حقیقت پر ایمان لانا ہوگا۔ حقیقت محمدیہؐ کے مضمون کو سمجھنا ہوگا۔ اس دوسرے ایمان کے نتیجے میں خدا تعالیٰ دوہری رحمتیں لے کر آپ پر نازل ہوگا اور آپ کے اندر اور باہر کو ایک نور میں تبدیل فرما دے گا۔ اور ایسا نور ہوگا جس سے دوسرے دیکھنے لگیں گے اور اس کی روشنی میں نہ صرف آپ آگے بڑھیں گے بلکہ لوگوں کو بھی وہ روشنی فائدہ پہنچائے گی اور لوگوں کے لئے بھی وہ رستہ دکھانے کا موجب بنے گی۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ مومن کو ہم نے یہ ذاتی نور صرف اس لئے عطا نہیں کیا کہ وہ خود اپنے لئے استعمال کرے بلکہ لوگوں کو وہ نور دکھانے کے لئے استعمال کرنے لگ جائے اور وہ ایسا شمع بردار ہو جو قافلوں کو اپنے پیچھے لے کر چلنے والا ہو۔ رستہ دکھانے والا ہو اور اس مقصد کو پورا کرتے ہوئے جب وہ بالآخر خدا کی طرف واپس چلا جاتا ہے تو وہ لوگ جنہوں نے اس کو دیکھا تھا وہ اس کے نور سے محروم رہے تھے۔ قیامت کے دن اس سے مطالبہ کریں گے اب اس نور سے ہمیں کچھ حصہ دے دو۔ ہم بڑے بدنصیب تھے کہ تمہارے نور سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ اس مضمون کو قرآن کریم سورۂ حدید آیات ۱۴ تا ۱۶ میں بیان فرماتا ہے۔ فرمایا:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ

کہ جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں، یہ رحم کا مطالبہ کریں گے کہ وانْظُرُوْنَا ہم پر شفقت کی نظر ڈالو۔ نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ حصہ پالیں۔ قِيْلَ ارْجِعُوْا ان سے کہا جائے گا واپس جاؤ، وَرَآءَكُمْ اپنے ماضی کی طرف لوٹنے کی کوشش کرو فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا اور وہاں نور کی تلاش کرو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ واپس جاسکتے ہیں۔ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اس دنیا میں جو نور سے محروم رہ جاتا ہے پھر قیامت کے دن اسے کوئی نور نصیب نہیں ہوتا اور مومنوں کے نور سے دوسروں کے لئے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ اگر وہ اس دنیا میں مومنوں کے نور سے فائدہ نہ اٹھائیں تو قیامت کے دن ان کو اس نور سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

پس جہاں یہ مومنوں کے لئے ایک قسم کی خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دنیا کے نور کے نتیجے میں ان کو آخرت میں نور عطا فرمائے گا وہاں ان کی ذمہ داری کا احساس بھی تو ہے جو انہیں دلایا جارہا ہے کہ تم اگر اس نور کو دوسروں تک نہیں پہنچاؤ گے اور وہ اندھے مرجائیں گے تو پھر قیامت کے دن ان کو کوئی نور نہیں ملے گا اور ایک رنگ میں مومن اگر حساس ہو تو وہ یہ محسوس کرے گا کہ گویا مجھ پر ذمہ داری ہوگئی۔ میں نور دے سکتا تھا اور نہیں دیا۔ اب یہ دو پہلو ہیں جو آپ کے سامنے روشن ہونے چاہئیں۔ اول یہ کہ آپ نے نور پہنچانے کی کوشش کی اور پھر کوئی نور سے محروم رہا اس میں آپ کلیۃً بری الذمہ ہیں لیکن اگر نور پہنچانے کی کوشش نہ کی تو قیامت کے دن وہ منافقین خدا تعالیٰ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم تو مجبور تھے ہمیں تو نور دیا ہی نہیں گیا اور ان نور والوں کو پھر وہ پہچان بھی نہیں سکتے کیونکہ جس نے نور پیش نہیں کیا ہوا سے قیامت کے دن پہچان کون سکے گا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ مومنوں کی یہ صفات بیان فرمائی گئی ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنے نور سے دوسروں کو روشنی عطا کرنے کی کوشش کرتے چلے جاتے ہیں اور اس شان کے ساتھ اور اس استقلال کے ساتھ ایسا کام کرتے ہیں کہ وہ لوگ ان کو

پہچاننے لگتے ہیں ، جاننے لگتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو روشنیاں پھیلا رہے ہیں۔ پھر اگر وہ ان روشنیوں کو رد کر دیں تو پھر قیامت کے دن ان کی ذمہ داری ان کی ذات پر ہے، مومنوں پر عائد نہیں ہوتی ۔ پس آپ نے اگر اپنے گھروں میں اپنے بچوں کو روشنی عطا کرنی ہے، اپنے ماحول میں اپنے دوستوں کو عطا کرنی ہے۔ اپنی گلیوں ،گلیوں والوں کو، محلے میں محلے والوں کو۔ اگر شہروں کو نور سے بھرنا ہے، اگر ملکوں کو نور سے بھرنا ہے تو یہ نور وہ کافی نہیں جو تعلیم کی صورت میں موجود ہے ۔ یہ تعلیم کا نور آپ کے دل میں اس وقت اترے گا جب آپ کے دل سے ایک شعلۂ نور پیدا ہوگا۔ پھر نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ بن کر آپ اس دنیا کو روشن کرنے کی اہلیت حاصل کریں گے۔

پس دعا کرتے رہیں اور عاجزانہ دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے نور کی حفاظت فرمائے ۔ آپ کو نور عطا کرے اور پھر اس کو روشن تر کرتا چلا جائے۔

صرف یہ بھی کافی نہیں کہ آپ نور حاصل کریں ۔ اس کی حفاظت کا مضمون بھی قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ فرمایا ہے ۔ جب یہ نور خدا کے بندوں کو عطا ہوتا ہے تو لوگ اس کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (الصّف: ۹) کہ یہ لوگ ایسے ظالم ہیں کہ ایک طرف تو مومن چراغ لے کر نکلتے ہیں کہ ان کے اندھیروں کو روشنیوں میں تبدیل کر دیں دوسری طرف یہ پھونکیں مار مار کر ان کے نور کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آؤ تم بھی ہم جیسے اندھے ہو جاؤ تم بھی نوروں سے محروم رہ جاؤ۔ تو عظیم جدو جہد ہے اس سلسلے میں نور کو پھیلانے کی جس کا قرآن کریم نے بیان فرمایا اور ہم پر واضح کر دیا کہ اس راہ میں یہ خطرات بھی ہوں گے کہ جن کو تم نور عطا کرنے لگو گے وہ تمہارے نور کو بجھانے کی کوشش کریں گے لیکن اگر تم دعا کرتے رہو اور خدا کی طرف متوجہ رہو اور کامل خلوص کے ساتھ اس راہ پر گامزن رہو۔ تو یاد رکھو کہ خدا تم سے وعدہ کرتا ہے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وہ نور جو تمہارے دلوں میں خدا تعالیٰ نے روشن فرمایا۔ جو خدا کا نور ہے اس کے اتمام کا وعدہ خدا کرتا ہے۔ وہ اس کی حفاظت فرمائے گا اور وہ تمہارے نور کو روشن سے روشن تر کرتا چلا جائے گا۔

پس خدا کرے ہم سب اس مفہوم کو سمجھ کر اپنی روزمرہ کی زندگی میں اپنی نیکیوں کے چراغ مزید روشن کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا وہ نور جو قرآن کریم کی صورت میں اور محمد مصطفی ﷺ کی صورت میں ہم پر نازل فرمایا گیا اس نور کا اہل بننے کے لئے اپنے دلوں میں روشنی پیدا کریں۔ وہ دلوں کی روشنی اس نور کو کھینچے اور پھر ایسی خوبصورت شمعیں روشن ہو جائیں جن کی روشنی میں ہم دنیا کے اندھیروں کو اجالوں میں تبدیل کر دیں۔